شادی بیاہ کے بعد قل اور چہلم بھی

روزن دیوار سے

تحریر = جناب عطاء الحق قاسمی

مشتاق چودھری کی والدہ ماجدہ گذشتہ ماہ گاؤں میں انتقال کر گئیں دوروز بیشتر ان سے ملاقات ہوئی وہ ہنوز صدمے کی کیفیت میں تھے، وہ کافی دیر تک مرحوم والدہ کی باتیں کرتے رہے۔ اس دوران وہ اچانک رکے اور کہنے لگے۔ "قاسمی صاحب پوری قوم نے شادی بیاہ پر بے پناہ اخراجات کی روک تھام کے سلسلے میں میاں نواز شریف کے اقدامات کا خیر مقدم کیا ہے، کیا یہ ممکن نہیں کہ فوتیدگی پر اٹھنے والے اخراجات میں کمی کے لیے بھی فوری اقدامات کئے جائیں" مجھے ان کی یہ بات سمجھنے میں کچھ دیر لگی کیونکہ مغرب میں تو کفن و دفن کا انتظام کرنے والی کمپنیاں حق خدمت کے طور پر خاصا لمبا چوڑا بل پیش کردیتی ہیں جبکہ ہمارے ہاں فی الحال یہ نوبت نہیں آئی تاہم مشتاق چودھری نے جب مرگ پر اٹھنے والے اخراجات کی تفصیل بتائی تو بقول شخصے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے؟ ہمارے شہروں میں قل، دسواں اور چہلم وغیرہ کے "تہوار" جس شان و شوکت سے منائے جاتے ہیں، اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں کہ ہم شہروں میں رہنے والے اس سے واقف ہیں۔ اس حوالے سے تو اکبر الہ آبادی یہ شعر بھی خاصا مشہور ہے۔

میں جانتا ہوں کہ مرنے کے بعد کیا ہو گا
پلاؤ کھائیں گے احباب، فاتحہ ہو گا

جبکہ گاؤں میں صورتحال کچھ اس سے زیادہ گھمبیر ہے کہ وہاں آمدنی کے ذرائع کم ہیں اور لڑائی بڑائی کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں چنانچہ مخالف فریق پر کئے گئے یا مخالف فریق کی طرف سے کئے گئے مقدموں کے نتیجے میں بچی کھچی پونجی بھی خرچ ہو جاتی ہے۔ اس دوران کوئی شادی بیاہ آجائے تو ناک کٹنے سے بچانے کے لیے قرض لیکر بھی رسومات ادا کرنا پڑتی ہیں اور اگر کوئی خوش قسمت غم زمانہ سے نجات پا جائے یعنی فوت ہو جائے اور یوں

قرضوں کی ادائیگی سے بچ جائے تو اس کا خاندان عملی طور پر "فوت" ہو جاتا ہے۔ گاؤں میں فوتیدگی کے بعد برادری کی دعوتوں کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہے تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ ان دنوں اردگرد کے علاقے میں کسی بکرے کی ماں اپنے "لیلوں" کی خیر منا سکتی۔ پراتوں میں گوشت ڈال کر برادری کے آگے ڈال دیا جاتا ہے اور برادری کے افراد صدمے کی شدت کی وجہ سے اس گوشت پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور پھر باقی کیا بچتا ہے۔ باقی رہے نام اللہ کا! مرحوم کے کئی قریبی رشتے دار تو شرطیں باندھ کر کھاتے ہیں بلکہ جب قورمے کی دیگیں تیار ہو رہی ہوتی ہیں ان دیگوں کے سر پر جا کھڑے ہوتے ہیں اور باورچی کو تنبیہ کرتے ہیں کہ گوشت "بھجواں بھجواں" ہونا چاہیے۔ خواہ مخواہ شوربہ بنانے کی کوشش نہ کی جائے۔ ایک دوست کے والد کا انتقال ہوا تو اس نے آٹھ دس بکرے اور دو بوریاں آلو کی خریدیں۔ وفات کا "جشن" ختم ہوا تو اس نے دیکھا کہ آلو کی بوریاں جوں کی توں پڑی ہیں۔ اس نے اپنی بیوی سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نیک بخت نے بتایا کہ برادری والوں نے باورچی کو منع کر دیا تھا اور کہا تھا کہ گوشت کی دیگ میں آلو ملانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ نتائج کے تم خود ذمہ دار ہو گے!

گاؤں اور حتیٰ کہ شہروں میں بھی یہ بات دعوتوں تک محدود نہیں رہتی بلکہ بعض خاندانوں میں مرحوم کے عزیز و اقرباء میں نہایت عمدہ قسم کے کپڑے بھی تقسیم کئے جاتے ہیں اور یہ سب چیزیں ہمارے مذہب کا نہیں، ہمارے کلچر کا حصہ بن گئی ہیں اور سچ پوچھیں تو کلچر کا یہ حصہ بھی ہم نے ہندوؤں سے مستعار لیا ہے شادی بیاہ پر تو کھانے پینے اور دعوت کی تو پھر بھی کوئی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ جبکہ غمزدہ خاندان کی بوٹیاں نوچنا ایک انتہائی سفاکانہ فعل ہے۔ میں قل یا چہلم کا کھانا نہیں کھا سکتا۔ ایک دو دفعہ مجبوراً کھانا پڑا یوں لگا کہ مرحوم کی ہڈیاں چبا رہا ہوں۔ میاں نواز شریف کی حکومت کو چاہیے کہ جہاں گذشتہ بہت کم عرصے میں انہوں نے معاشرتی حوالے سے بعض بہت انقلابی فیصلے کئے ہیں، وہاں قل اور چہلم وغیرہ کی دعوتوں پر پابندی کا فیصلہ بھی کر ہی ڈالیں اور کروڑوں غریب اور سفید پوش عوام کی دعائیں لیں جو "سرگشتہ خمار رسوم و قیود" ہونے کی وجہ سے ہر فوتیدگی پر خود پھانسی چڑھ جاتے ہیں سب لوگ اس مراثی کی طرح تو خوش طبع نہیں ہیں جس نے ایک شخص کی زبانی بار بار یہ سن کر کہ اس کے والدین کی وفات پر دو من گھی خرچ ہوا ہے، پوچھا تھا "کیا آپ نے والد صاحب کو تل کر دفن کیا تھا؟" اگر لوگ اتنے خوش طبع ہوں تو ان رسموں کے خلاف دل کی بھڑاس نکال کر ہی آدھا غصہ کم کیا جا سکتا ہے لیکن مفلسی میں خوش طبعی کہاں ساتھ دیتی ہے؟

قلمی معاونین سے درخواست

قلمی معاونین سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مضامین خوش خط، باحوالہ، کاغذ کی ایک طرف تحریر فرمائیں۔ اور مدیر کے نام اس پتے پر براہ راست بھیجیں۔ شکریہ

مدیر حرمین جامعہ علوم اثریہ پی۔ او بکس نمبر ۱۱ جہلم